مولانا جلال الدین رومی اور انکی مثنوی

(ڈاکٹر) سعیدہ خان علی گڈھ

جلال الدین رومی ۱۲۰۷ء میں بمقام بلخ پیدا ہوئے۔ ان کے والد بہاء الدین ولد بہت بڑے بزرگ تھے اور علاء الدین خوارزم شاہ ان کی بہت عزت کرتا تھا کہتے ہیں کہ جب حضرت بہاء الدین ولد کی مقبولیت بہت بڑھ گئی تو بادشاہ کو ان کی ذات سے خطرہ محسوس ہونے لگا۔ امام فخر الدین رازی نے بادشاہ کو ان کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے مزید متنبہ کیا۔ آخر کار بادشاہ وقت کو اپنی طرف سے مشکوک پاکر بہاء الدین ولد نے ترک وطن کا ارادہ کر لیا اور اپنے ساتھ اپنے بہت سے معتقدین کو لے کر جن میں بڑے بڑے فضلاء شامل تھے نیشاپور سے بغداد اور مکہ معظمہ ہوتے ہوئے ترک پہنچے۔ یہ مولانا روم کے اوائل عمری کا زمانہ تھا۔ روایت ہے کہ نیشاپور میں بہاء الدین ولد سے خواجہ فرید الدین عطار نے ملاقات کی اور ان کے بچے (مولانا ہا روم) کی عظمت کی پیشین گوئی کی۔ ترکی میں ان کا قیام لارندہ اور قونیہ میں یکے بعد دیگرے رہا۔ لارندہ میں مولانا روم کی شادی ہوگئی اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی۔ ان کے دو لڑکے پیدا ہوئے، ایک کا نام علاء الدین اور دوسرے کا نام بہاء الدین سلطان ولد تھا۔ موخر الذکر اپنی مثنوی ولدنامہ کی بنا پر مشہور ہیں جس میں مغربی ترکی زبان کے ابتدائی نمونے ملتے ہیں۔

مولانا روم نے سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد حلب اور دمشق میں تعلیم حاصل کی اس کے بعد ان کے والد کے ایک شاگرد برہان الدین ترمذی نے ان کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری لی اور ان کو علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ کیا۔ ان کے انتقال کے بعد رومی ایک پراسرار اور عجیب و غریب شخص کے زیر اثر آئے، جو تاریخ میں شمس تبریزی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کے زندگی کے بارے میں زیادہ معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ بقول براؤن ان کی ذات ایک شہاب ثاقب کی طرح چمک کر غائب ہو جاتی ہے اور مولانا روم کو بقیہ عمر کے لئے اپنے عشق میں تڑپتا ہوا چھوڑ جاتی ہے۔ چنانچہ مثنوی میں شمس تبریز کا نام بار بار آتا ہے اور جب بھی آتا ہے ایک عجیب کیفیت کے ساتھ۔ تقریباً آٹھ صدیاں گزرنے کو آئیں لیکن شمس تبریز سے متعلق جو اشعار مولانا نے کہے ہیں ان کے اندر آج بھی ان کے دل کی دھڑکن اور ان کی آتش عشق کی حرارت موجود ہے۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں :۔

فتنہ و آشوب و خونریزی مجو
بیش ازیں از شمس تبریزی مجو
ایں نفس جان دائم برتافتہ است
بوئے پیراہان یوسف یافتہ است

مرشد سے اپنی عقیدت اور کسب سعادت کا اظہار کس انکساری کے ساتھ کیا ہے یہ اشعار دیکھئے۔ اس کے علاوہ اپنی غزلیات کے مجموعے کا نام بھی دیوان شمس تبریز رکھا ہے۔

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد ہیچ آہن خنجر تیزے نہ شد

شمس تبریز اور مولانا روم کی صحبتوں کے متعلق بہت سی روایتیں مشہور ہیں جنھیں یہاں تنگی وقت کی وجہ سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔ شمس تبریز کے چلے جانے کے بعد مولانا روم پر غیر معمولی اضطراب کا عالم طاری رہا۔ بہرکیف کچھ عرصہ کے بعد آپ کو ایک دوسرے شخص صلاح الدین زرکوب سے ربط پیدا ہو گیا جس کی صحبت سے مولانا کے مغموم دل کو کافی

تسلی ہوگئی۔

قونیہ میں مولانا روم کی عزت و احترام کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے اُمرائے نامدار باریابی کے مشتاق رہتے تھے اور عقیدتمندوں اور مریدوں کا ایک ہجوم دروازے پر لگا رہتا تھا جب آپ راستے سے گزرتے تھے تو لوگ دوڑ دوڑ کر قرط عقیدت سے ہاتھوں کو بوسہ دیتے تھے۔ انتقال کے وقت معززین شہر میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو نہ آیا ہو۔ شیخ صدرالدین قونوی بھی موجود تھے۔ مولانا کے صاحبزادے نے لکھا ہے کہ جنازے میں مسلمانوں کا کیا ذکر یہود و نصاریٰ بھی نالاں و گریاں پیش پیش تھے۔

مولانا روم اپنی عظیم مثنوی کی وجہ سے مشہور ہیں اگرچہ ان کی غزلیات بھی کمتر پائے کی نہیں ہیں۔ یہ مثنوی چھ دفتروں پر مشتمل ہے اور آخر عمر کی تصنیف ہے۔ اس کی مقبولیت اور عظمت کا اندازہ جامی کے اس شعر سے کیا جا سکتا ہے۔

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآن در زبان پہلوی

ایران کے عظیم الشان ادب میں چار کتابیں سب سے بڑی مانی گئی ہیں (۱) شاہنامہ (۲) گلستان (۳) مثنوی مولانا روم (۴) دیوان حافظ۔ شبلی نے لکھا ہے کہ ان چاروں میں اگر کسی کتاب کو برتری حاصل ہے تو وہ مثنوی مولانا روم ہے۔ صدہا سال سے یہ کتاب دنیائے اسلام میں مشرق تا مغرب اہل علم و فضل کے لئے خاص شمع عرفان و بصیرت رہی ہے۔ بڑے بڑے علمی مراکز میں اسے داخل نصاب کیا گیا تعلیم یافتہ طبقوں کی محفلوں میں اس کے اشعار خضوع و خشوع کے ساتھ پڑھے جاتے تھے اور واعظوں اور خطیبوں کی گرم گفتاری میں بے ساختہ اس کے اشعار زبان پر آتے رہے ہیں۔

اس مختصر تعارفی تمہید کے بعد اس کی ادبی خصوصیات کا تفصیلی جائزہ لیا جاتا ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس

کی شروع میں جو کتابیں مختلف ادوار میں لکھی گئی ہیں اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک انبار لگ جائے گا۔ انگریزی ادب میں شیکسپیئر کے مشہور ڈرامہ ہملٹ (Hamlet) ادب میں مولانا روم کی مثنوی کو بالکل اسی ہی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔

اس مثنوی کی تصنیف کے لئے مولانا کے شاگرد رشید حسام الدین چلپی نے درخواست کی چنانچہ انھیں کی فرمائش پر مولانا نے اس کا آغاز کیا درمیان میں جب وہ اسے چھوڑ دیتے تھے تو اس وقت بھی حسام الدین ہی بضد ہو کر مولانا کو دوبارہ متوجہ کرتے تھے۔ اسی لئے پہلے دفتر کو چھوڑ کر بقیہ ہر دفتر میں حسام الدین ہی سے تخاطب پایا جاتا ہے۔ مثنوی کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ لکھنے والے پر خواجہ فریدالدین عطار اور سنائی کا بہت اثر ہے مختلف البحر ہونے کے باوجود مولانا نے حدیقہ سنائی کے اشعار کہیں کہیں لے لئے ہیں، اس کے علاوہ عطار اور سنائی کی مخصوص ترکیبیں اور استعارے بھی مثنوی میں جا بجا پائے جاتے ہیں چنانچہ پہلا ہی شعر ع

بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائیہا شکایت می کند

کا استعارہ دراصل سنائی کے یہاں سے لیا گیا ہے سنائی کہتے ہیں :۔

نالۂ نے زدرد خالی نیست
شوق از روئے زرد خالی نیست

اس مثنوی کی خصوصیات حسب ذیل ہیں :۔

مولانا کا خاص مقصد جیسا کہ انھوں نے خود دیباچہ میں تحریر کیا ہے :۔ مذہب کی اصل الاصول کو پیش کرنا ہے اور علم و آگہی کے اسرار اور رموز سے بحث کرنا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے انھوں نے قصص و حکایات کا بکثرت استعمال کیا ہے تاکہ اعلیٰ ترعلم و عرفان کے باریک و دقیق رموز و اسرار بہ آسانی ذہن نشین

ہو سکیں۔ مذہب کے اصل الاصول کو سمجھانا اور بیان کرنا ایک مشکل اور مشکل سے سمجھ میں آنے والا مسئلہ ہے۔ اسی لئے مصنف نے بقول شبلی قیاس عقلی سے کام لینے کی بجائے 'قیاس تمثیلی' سے کام لیا ہے عام لوگ مولانا کی اس حکمت کو نہ سمجھ سکے اور ان حکایات و قصص پر اعتراضات کرنے لگے۔ یہ حقیقت ہے کہ مثنوی میں حکایتیں نہایت بے ترتیبی کے ساتھ درج ہیں بعض ان میں غلط اور بعید از قیاس بھی ہیں لیکن مولانا کا مقصد تو حکایات کو ایک واسطہ بنا کر اصل نکات کو قاری تک پہنچانا تھا چنانچہ خود اعتراضات کے جواب میں لکھتے ہیں :۔

اے برادر قصہ چو پیمانہ ایست
معنی اندر وے بسان دانہ ایست

انگریزی ادب میں شیکسپیئر نے اپنے ڈراموں میں بالکل یہی کام کیا تھا اس نے اِدھر اُدھر کے قصوں کو لے کر ڈرامہ بنا دیا لیکن ان فرسودہ قصوں میں اپنی ذہانت و جدت سے ایسی سحر انگیزی پیدا کر دی کہ آج تک ان کا جواب مغرب کے ادب میں نہیں ہے مولانا نے بھی حکایات کو جس پیرائے سے بیان کیا ہے، اور انھیں ایک نیا موڑ دے کر گہرے علم و عرفان کی وضاحت جس طرح انھوں نے کی ہے، قابل صد ہزار تحسین ہے۔ بلکہ اسی خوبی پر ان کی عظمت کا دار و مدار ہے مثال کے طور پر بادشاہ جہود حضرت عیسیٰ اور حضرت موسیٰ میں تفریق کرتا تھا اسے احول کی حکایت سے اتنی خوبصورتی سے واضح کیا ہے کہ اس کا تعصب بے نقاب ہو کر پڑھنے والے کے سامنے آجاتا ہے۔ یہ طرز استدلال اور طریقہ افہام معمولی انسان کا کام نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے حیرت انگیز اجتہادی قوت کے ساتھ شاعری کی قوت کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ مولانا روم نے دونوں صلاحیتوں کا ثبوت دیا ہے۔ اسی صورت سے ایک دوسری حکایت میں چار آدمیوں کو مشترکہ رقم کے خرچ کرنے پر

ـتے ہوئے دکھلایا ہے۔ ایرانی شخص چاہتا ہے کہ اس رقم سے انگور خریدے،
ی لڑتا ہے کہ میں عنب خریدوں گا، ترک استافیل کے لئے بضد ہے، اور
ب چوتھی قوم کا آدمی ازم خریدنا چاہتا ہے۔ مولانا یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ چاروں
ب ہی چیز کے خواہشمند ہیں لیکن بے خبر ہیں، ورنہ اختلاف نہ پیدا ہوتا۔

صفات باری کا مسئلہ ہمیشہ باعث نزاع رہا ہے مختلف مکاتیب فکر کے
ل اپنی اپنی تاویلیں اور تشریحیں پیش کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ خود مولانا کے
انے میں بھی یہ بحث جاری تھی۔ مولانا نے بتلایا کہ یہ بحث سرے سے فضول ہے،
رائی ہستی کا علم انسان کو ہوسکتا ہے، لیکن اس کی صفات انسانی ادراک سے
ہر ہیں ایک حکایت میں لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے ایک چرواہے کو خدا سے خطاب
تے ہوئے سُنا جس میں وہ کہتا تھا کہ اے خدا اگر تو مجھے ملے تو میں تیرے پیر دابوں
نگھی کروں کپڑے پہناؤں وغیرہ وغیرہ حضرت موسیٰ نے اُسے ڈانٹا اور وہ آزردہ خاطر
ر چلا گیا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت موسیٰ پر وحی نازل ہوئی۔

وحی آمد سوئے موسیٰ از خدا بندۂ مارا از ما کردی جدا
تو برائے وصل کردن آمدی نے برائے فصل کردن آمدی

ہر ارشاد باری ہوا کہ ہر قوم اور شخص کی عبادت کا اپنا طریقہ ہے۔ اس حکایت میں
صنف نے خدا کی ذات کا تعین کرنے والوں کا ایک طرح سے مذاق اُڑایا ہے
ور یہ بتلانا مقصود ہے کہ اصل چیز خلوص و تضرع ہے۔ طریق ادا سے بحث نہیں ہے۔

مولانا روم نے صفات باری کے علاوہ علم الٰہیات نبوت معجزہ روح کی حقیقت
بر و اختیار توحید اور دوسرے عظیم مسائل سے سیر حاصل بحث کی ہے۔ تصوف کی
نیادی تعلیم یہ رہی ہے کہ حواس ظاہری کو قابل اعتبار نہ سمجھ کر انسان حس باطن کی
رف توجہ کرے۔ مولانا نے اس کے ثبوت میں بہت سے اشعار دیئے ہیں اور اس

مسئلہ کو اس خوبصورتی سے واضح فرمایا ہے کہ پڑھنے والے کا قلب مطمئن ہو جاتا ہے۔

اصل میں اس نکتہ سے خدا کی حقیقت بھی سمجھ میں آنے لگتی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میں نے خدا کو اپنے ارادوں کی شکست سے پہچانا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول موجودہ زمانے میں بھی اسی طرح صحیح ہے جبکہ سائنس اپنے انتہائی اوج پر پہنچ چکی ہے، کوئی ایسی طاقت کارفرما رہتی ہے جو حواس ظاہری کی تمام تدبیروں کو باطل کر دیتی ہے اور انسان ششدر رہ جاتا ہے، اس سے یہ چیز بہ صاف ظاہر ہے کہ اس عالم اسباب کے پیچھے کوئی اور نظام اسباب بھی جو حواس ظاہری کے ادراک سے باہر ہے۔ مولانا نے اس شعر میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے: ؎

آں سببہا انبیا را رہبر است
آں سببہا زیں سببہا برتر است

جبر و اختیار کے مسئلہ پر بھی شروع سے بحثیں چلی آرہی ہیں۔ مولانا کے زمانے میں اشاعرہ کا جبری عقیدہ عوام پر غالب تھا۔ مولانا کے ہمعصر امام رازی نے بھی اپنی تحریروں میں جبر ہی کو ثابت کیا ہے لیکن مولانا نے اُس وقت کے عام خیالات سے انحراف کر کے اپنی انفرادیت جدت طبع اور تجربہ علمی کا ثبوت دیا۔ مولانا نے فرمایا کہ نہیں انسان سرے سے مجبور نہیں ہے بے شک دنیا ایک پردہ ہے جس پر نقاش ازل نئے نئے نقش بناتا اور بگاڑتا رہتا ہے اور اس اعتبار سے انسان محض بے بس ہے لیکن مولانا روم اسے جبر نہیں کہتے: ؎

ایں نہ جبر ایں معنیٔ جباری است
ذکر جباری برائے زاری است

آگے چل کر پھر وہ جبر کے خلاف دلیل پیش کرتے ہوئے پوچھتے ہیں کہ اگر تمہیں جبر پر یقین ہے تو اپنے افعال و اعمال پر ندامت کیوں ہوتی ہے۔ بیماری کے

زمانے میں توبہ و استغفار کیوں کرتے ہو پھر اگر جبر پر عقیدہ ہے تو سرکشی اور آزاری کیوں پیدا ہوتی ہے: ؎

گر ز جبرش آگہی زاریت کو
بینش زنجیر جباریت کو

آخر میں یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ انسان کا رجحان طبع جس کام کی طرف ہوتا ہے اس میں اختیار محسوس ہوتا ہے اور جدھر اس کا میلان طبع نہیں ہوتا، اس طرف جبر کا احساس ہوتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں: ؎

انبیاء در کار دنیا جبری اند
کافران در کار عقبیٰ جبری اند
انبیا را کار عقبیٰ اختیار
کافران را کار دنیا اختیار

مولانا روم کے فلسفہ میں جبر و اختیار کا مسئلہ بہت اہمیت رکھتا ہے کیونکہ مولانا کے خیالات نے آئندہ نسلوں کی قوتِ عمل اور ذوق کردار پر گہرا اثر ڈالا۔ اقبال مولانا روم کی اس خوبی کے شہید ہیں کیونکہ فلسفہ جبر کے پروردہ دلوں کو جو افسردہ مضمحل ہو رہے تھے مولانا نے حرکت، ہمت اور حوصلہ سے گرما دیا ہے۔

مولانا نے اپنی غزلیات شمس تبریز سے منسوب کی تھیں چنانچہ آج بھی ان کا مجموعۂ کلام دیوان شمس تبریز کے نام سے مشہور ہے ان غزلوں کے ساتھ سب سے بڑا حادثہ یہ ہوا کہ اسی شاعر نے شہرۂ آفاق مثنوی بھی تصنیف کر دی جس کی آب و تاب نے ان غزلوں کے حسن کو دھندلا دیا ورنہ بعض نقادوں کا خیال ہے کہ یہ غزلیں خود مثنوی سے کم رتبہ کی نہیں ہیں۔ آگرے میں آصف الدولہ کا مقبرہ ہندوستان کی حسین ترین عمارتوں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے لیکن تاج محل کی وجہ سے اس کی اتنی قدر نہیں ہو پاتی۔

یہی تعلق مولانا کی غزلوں کو ان کی مثنوی سے ہے۔ روایت ہے کہ شیخ سعدی سے جنہیں بادشاہ وقت نے ایک منتخب غزل پڑھنے کے لئے مانگی، تو شیخ نے مولانا ہی کی غزل بھیجی تھی۔ یاد رہے کہ شیخ سعدی غزل کے باوا آدم ہیں۔ ان غزلوں میں سوز و گداز کی کیفیت، عشق کی سرمستی اور جذبۂ اضطراب اپنی حسین ترین شکل میں پایا جاتا ہے۔ مجاز پر حقیقت کا غلبہ ہے۔ لیکن اس حقیقت میں بھی وہ دلکشی و رعنائی ہے کہ مجاز کے شوخ ترین رنگ میں بھی یہ مزہ نہیں مل سکتا۔ اس شعر کو ملاحظہ فرمایئے۔ مجاز کی شدید ترین کیفیت بھی اس کے سامنے شرما جائے گی۔

یکدست جام بادۂ و یکدست زلف یار
رقصے چنیں بصحن گلستانم آرزوست

جہاں تک عظمت و جلال کی کیفیات کا تعلق ہے، مولانا سے زیادہ اعلیٰ مضامین کوئی غزل گو نہیں پیش کر سکا۔

مولانا روم کی یہ انا اور بلند ہمتی نہ صرف اس وقت کی خاکساری اور منکسر مزاجی کے پس منظر میں ایک برق جہندہ کی طرح چمکتی ہے، بلکہ صدہا سال بعد آنے والے شاعروں کو خودداری اور کبر نفس کا سلیقہ سکھلاتی ہے۔ سولہویں صدی کے ہندوستان میں جب اکبر اعظم کے دربار میں عرفی نے شکر ریزی در نغمہ پردازی کی نئی بساط ڈالی تو اس وقت اس پر مولانا روم کا اثر ضرور رہا ہوگا۔

اور پھر بیسویں صدی میں اقبال نے پیر رومی کو اپنا مرشد بنا کر وہی انداز فکر اختیار کیا۔

در دشت جنون من جبریل زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ

مولانا روم کی مثنوی کو خیال و خرد کی برتری کی بنا پر دنیا کی عظیم ترین کتابوں

میں شمار کیا جاتا ہے چنانچہ انگریز مصنف براؤن لکھتا ہے:-
....." Regarded universally as a first rate Production of human mind"
آج کی دنیا میں جبکہ مادی علوم نے انسان کو ترقی کے باوجود ایک غار ہلاکت تک پہنچا دیا ہے، جب اسلحہ سازی کی دوڑ سمندروں اور ہواؤں کی تسخیر اور وزنی مشینوں کی گھما گھمی نے انسانی ذہن کو بے طرح تھکا رکھا ہے، مثنوی مولانا روم سکون دماغ عرفان نظر اور طمانیت قلب کا لازوال سرچشمہ ہے جہاں تھکی ہوئی درماندہ قومیں پناہ حاصل کر سکتی ہیں۔

مراجع:-

۱۔ شعر العجم، شبلی نعمانی، مطبوعہ اعظم گڑھ
۲۔ سوانح مولانا روم، شبلی نعمانی، مطبوعہ اعظم گڑھ۔
۳۔ فرہنگ ادبیات فارسی دری، ڈاکٹر زہرا خانگری، مطبوعہ تہران۔
۴۔ تاریخ ادبیات ایران، اڈورڈ براؤن، مطبوعہ انگلینڈ۔
۵۔ ولد نامہ، بہاء الدین سلطان ولد، مطبوعہ تہران۔
۶۔ غزلیات شمس تبریز، جلال الدین رومی، مطبوعہ تہران۔
۷۔ سیری در دیوان شمس، علی دشتی، مطبوعہ تہران۔